مطبوعات

حیاتِ مجدد: تالیف پروفیسر محمد زمان صاحب۔ شائع کردہ مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور۔ قیمت ۵ روپے۔ صفحات ۲۹۱۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن ان کے مطالعہ سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفین کسی حد تک افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں کسی نے تعریف کو تعریف بیجا کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ کسی نے نئے تنقیدی زاویوں سے کام لیکر بیجا نکتہ چینی کر ڈالی ہے اور کہیں کہیں دیدہ دلیری اور شوخ چشمی کی حدود کو چھو لیا ہے۔ مثلاً زبدۃ المقامات میں کرامات کا بہت زیادہ ذکر ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کہیں کہیں طبیعت پر گراں گزرنے لگتا ہے "مقامات امام ربانی" میں عادات و اطوار وغیرہ کا ذکر ہے اس میں بھی صاف مبالغہ اور غلو کا رنگ جھلکتا ہے۔ اسی طرح "مقاماتِ احمدیہ" میں بھی تعریف میں غلو اور کرامات کا بہت زیادہ ذکر ہے "جواہر مجددیہ" کا بھی کم و بیش یہی عالم ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب "رودِ کوثر" میں بزعم خود سوانح کے جدید رجحانات کی روشنی میں تنقید کی ہے جس میں شاید انہوں نے تنقیص کو تنقید کا لازمی جزو خیال کرتے ہوئے کچھ ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو کھٹکتی ہیں اور اقدام بیجا معلوم ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس میں "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول پر عمل کر کے ایک متوازن رجحان کے ساتھ شیخ سرہندی کی زندگی کا جائزہ لیا جاتا تاکہ بقول فرمان صاحب "ایک تو جدید مزاج کے لیے ایک طرح کی صحیح معلومات پیش ہو جائیں اور دوسرے قدیم رجحانات رکھنے والے حضرات کے لیے ایک متوسط راستہ متعین ہونے کا امکان روشن ہو"۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے قدیم و جدید طرز سوانح نگاری کو مذکرہ بالا کتاب میں بڑے سلیقہ سے

یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ بڑی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب ہیں۔

شیخ احمد سرہندی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اپنے زمانہ میں انہوں نے ذاتی طور پر اسلام کی اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔ انتقال کے بعد ان کے آثار اور افکار اسی خدمت کو آج تک انجام دے رہے ہیں۔ ان کے بڑے کارنامے تین کہے جا سکتے ہیں یعنی ردّ بدعت۔ ترویج شریعت اور اصلاحِ تصوف۔ ان کی ان خدمات کی قدر ہم اسی وقت کر سکتے ہیں جبکہ ہم ان کے زمانہ پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس دَور میں مسلمانوں کے معاشرے اور ایمان میں کس قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مثلاً تصوّف کو ہی لیجیے، اسے سہل انگار لوگوں نے اپنی بدعنوانیوں کا پردہ بنایا اور اس کی آڑ لے کر ترکِ شریعت کے لیے جواز پیدا کر لیا۔ اس سلسلہ میں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے متصوفہ میں ایک فرقہ ہے جس کو خود اہلِ فرقہ ملامتیہ کہتے ہیں۔ وہ ہر خلافِ شریعت عیب کو ثواب سمجھتے ہیں اور وجہ جواز یہ بتاتے ہیں کہ اس طرح نفس میں عجب اور تکبّر دُور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ زمین پر لوٹیں گے۔ گندے رہیں گے۔ افیم۔ گانجہ۔ چرس وغیرہ استعمال کریں گے اور بہت سے منکرات میں ملوّث ہوں گے۔ تاکہ لوگ انہیں ملامت کریں اور ان کے اندر کبرِ نفس پیدا نہ ہونے پائے۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی بھی بڑے زوردار الفاظ میں تردید کی ہے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق فرمان صاحب نے بجا طور پر فرمایا ہے "دین اسلام اور تصوف میں جو بُعد واقع ہو گیا تھا اس کی ابتدا کی نشاندہی کے لیے ہمیں وحدت الوجود کے مسئلہ پر غور کرنا ہے۔ اس مقام سے نادانستہ طور پر جمود و تعطل کی قوتیں ہنگامہ رکھنے والی طبائع میں جاگزیں ہوئی ہیں اور اس طرح اسلام کا چمن خزاں آشنا ہوا ہے اور اسی نے کارواں والوں کو مدہوش کر کے متاعِ کارواں کے لٹ جانے کے سامان پیدا کیے ہیں۔ اس موضوع پر جناب مجدّد کے خیالات کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں"[1] مجدّد صاحب ایک جگہ صاف صاف فرماتے ہیں "اللہ کے لیے وجود ثابت ہے اور ممکن کے لیے عدم۔ تاکہ تمام کمال حق تعالیٰ سے راجع ہو اور تمام

[1] حیات مجدد ص ۱۳۲

شرو نقص ممکن کی جانب ہو سکے۔ ممکن کے لیے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا حق تعالیٰ کے ملک میں اس کو شریک کرنا ہے۔ اسی طرح ممکن کو حق تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو واجب کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور اس کی صفات کے حق میں الحاد و شرک ہے[1]"

ترویج شریعت کے بارے میں بھی مجدد صاحب مغفور کی بڑی خدمات ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ اپنے اس امر کے لیے علماء اور امراء کو پوری کوشش سے بیدار کیا۔ مثلاً ایک جگہ مکتوبات میں فرماتے ہیں" اب صرف یہی آرزو ہے کہ نبی کریمؐ کی کوئی سنت زندہ ہو اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کو ہی مبارک ہوں۔ جو لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز کہتے ہیں وہ اصل معاملہ سے بے خبر ہیں اور صوفیا کی بیہودہ باتوں پر مغرور اور مقامات و احوال پر دل لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔ آنحضرتؐ کا طریقہ صراطِ مستقیم ہے اور اس کے سوا راستے ٹیڑھے ہیں۔ باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے اور بال برابر بھی ایک دوسرے سے مخالف نہیں ہیں۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دُور کرنا طریقت اور حقیقت ہے[2]"

مسئلۂ قضا و قدر دنیا کا بڑا اہم مسئلہ ہے اور ہر مفکر نے اپنی بساط کے مطابق گرہ کشائی کی ہے اور اکثر افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں، کوئی قدر کی طرف ضرورت سے زیادہ جھک گیا کوئی جبر کی طرف زیادہ مائل ہو گیا۔ دراصل صحیح راستہ درمیان کا ہی ہے۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں" مسئلۂ جبر و قدر میں اکثر لوگ حیران اور گمراہ ہو رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بندے سے فعل اس کے اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ بعض اس میں جبر کے قائل ہیں۔ گویا ان دونوں گروہوں نے اعتدال اور میانہ روی کو ترک کر کے افراط و تفریط کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے اعتقاد میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے جسے صراطِ مستقیم کہا جا سکتا ہے

[1] ایضاً ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۶۲-۱۶۱ [3] ایضاً ص ۲۱۷

عہدِ اکبری میں بادشاہِ وقت کے خلاف اور امراء و وزراء کے علی الرغم جہاد کرنا اور حق بات کا اعلان کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ اکبر تقریباً ہندو ہو گیا تھا اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو برداشت کر لیتا تھا۔ اسلام کے نام سے اُسے چڑ سی ہو گئی تھی۔ خود کو باقاعدہ سجدہ کراتا تھا۔ جہانگیر بھی مذہب کے معاملہ میں اکبر سے کچھ ہی بہتر تھا۔ اس نے دربار میں بلا کر سجدہ کرنے کا حکم دیا لیکن مجدد صاحب نے صاف انکار کر دیا اور نتیجہ کے طور پر آپ کو گوالیار کے قلعہ میں ایک سال تک قید رہنا پڑا۔ اکبر ہر قیمت پر اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ علماءِ سوء اس کی ہر حماقت کو جائز قرار دیتے اور انعام واکرام حاصل کرتے۔ علمائے ربانی پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ عام مسلمان سخت اذیت میں مبتلا تھے۔ کافر علی الاعلان اسلام اور مسلمانوں سے استہزاء کرتے تھے۔ اسی طرح جہانگیر نے بھی کسی خلافِ شرع رسم کو منسوخ نہیں کیا۔ ایسی حالت میں عین دربارِ جہانگیری میں اعلانِ حق کرنا اور اسکی مرضی کے خلاف اسلامی تعلیمات کی وضاحت کرنا بڑی جرأت کا کام تھا۔ خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ عام علماء اور مشائخ نے ایک گوشہ میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ لیا تھا آپ نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو بہت جرأت دلائی۔ آپ نے مریدین کی بہت بڑی تعداد کو شریعت کی ترویج کے لیے تیار کر کے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بھیج دیا۔ مختلف مسلمان سربراہوں سے خط و کتابت کی اور ان سے ترویجِ شریعت کا مطالبہ کیا اور ان کو حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔ مغل دربار کے بہت سے امراء کو حلقۂ ارادت میں شامل کر کے ان سے کام لیا۔ یہ مجدد علیہ الرحمۃ کی خدماتِ جلیلہ کا ہی اعجاز ہے جس نے تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل کر رکھ دیا۔ بابر کے اندر جس قدر دینی جذبہ موجود تھا، ہمایوں میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔ اُس کے بعد اکبر تو انحطاط کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجدد صاحب کی سعی میں خیر و برکت دی اور حالات کا رُخ بدلنے لگا۔ جہانگیر اکبر کی بہ نسبت دینی اعتبار سے غنیمت تھا، پھر شاہ جہان کے اندر دین کی محبت اور تڑپ کے گہرے اثرات ملتے ہیں۔ اور اورنگ زیب کی اسلام سے جو وابستگی ہے اُسے دنیا جانتی ہے۔ ہندوستان میں جس قدر دینی

تحریکات اٹھی ہیں اور مسلمانوں نے احیائے دین کے لیے جتنی کوششیں کی ہیں اُن میں مجدد علیہ الرحمۃ کی سعیٔ مشکور کا بڑا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مصنّف کو جزائے خیر دے کہ اُس نے اس خادمِ دین کی خدمات کو کتاب کی صورت میں مرتب فرمایا۔ کتاب اگرچہ عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پروف پڑھنے کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا جا سکا۔ اس لیے جابجا اغلاط نظر آتی ہیں۔ کہیں کہیں زبان بھی کھٹکتی ہے۔

ہفت روزہ شہاب زیرادارت: جناب نعیم صدیقی صاحب و جناب کوثر نیازی صاحب سالانہ چندہ ۱۵ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔ خصوصی نمبر ۱۲ آنے پتہ ۱۵۔ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

نعیم صدیقی صاحب اور کوثر نیازی صاحب علمی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیتیں ہیں۔ دونوں دین کے مخلص خادم ہونے کے علاوہ علم و ادب میں بھی نہایت اونچا مقام رکھتے ہیں نعیم صاحب کافی عرصے سے خاموش تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُن کے قلم نے سکوت توڑ کر اب اپنے چاہنے والوں سے خطاب کرنا شروع کیا ہے۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر اس مجلہ کا خصوصی نمبر ہے۔ فہرست پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑے بڑے نامور اصحابِ فکر شریکِ بزم ہیں۔ مثلاً مولانا مودودی مولانا غلام رسول مہر، میاں بشیر احمد صاحب، پروفیسر حمید احمد خاں، چوہدری نذیر احمد، مولانا عبد الستار خاں نیازی اور پروفیسر محمد رفیق۔ حصۂ نظم میں ماہر القادری، احسان دانش، اثر صہبائی اور خود ترتیب دینے والوں کے نام ملتے ہیں۔ اس رسالے میں سب سے مفید اور وقیع مضمون مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تقریر ہے جو موصوف نے مینارڈ ہال میں کی تھی۔ اتحادِ اسلامی کے سلسلہ میں میاں بشیر احمد صاحب، پروفیسر حمید احمد خاں اور ڈاکٹر جاوید اقبال کے خیالات نہایت مفید اور معلومات افزا ہیں۔

حصۂ نظم میں احسان دانش کی غزل خوب ہے اور ایک ایک مصرعہ سے کہنہ مشقی کا اظہار ہوتا ہے ؎

خدا جو بن گئے وہ بندگی کے بھی نہ رہے
بشر حدودِ بشر میں رہے تو اچھا ہے

اس کے علاوہ اثر صہبائی کی نظم 'نور و نکہت' بڑی دلکش ہے۔ نعیم صاحب کی نظم 'اے نیل کی موجو!' ان کے مخصوص رنگ میں نہایت زوردار ہے۔ کوثر نیازی صاحب کی غزل 'دل کو ڈھونڈتا ہوں تو الفت بھی کم نہیں' خاصی کامیاب ہے۔ ماہر القادری کی نظم 'پیام و تمنا' جوشِ ایمان اور غیرتِ دین کا بہترین مظہر ہے۔

'شہاب' کے اندر جس قدر مقالات شائع ہو رہے ہیں اُن میں سے اکثر بلند پایہ ہیں۔ اور ایک روشن مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نعیم صاحب اور کوثر صاحب کی تحریروں کا فاضلانہ لب و لہجہ اور حکیمانہ اسلوبِ بیان اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی خطیبانہ بلند آہنگی اور عسکرانہ رجز خوانی نے مجلّہ کو عقل و جذبہ کا ایک حسین مرقع بنا دیا ہے۔

سرورق دیدہ زیب ہے۔ البتہ کتابت کا معیار اور زیادہ بلند کرنے کی ضرورت ہے۔